مایہ ناز مصنفہ کی ایک شہکار تخلیق

جس موسم سے

نگہت سیما

ناولٹ

خواتین ڈائجسٹ اپریل 1990ء

Imagitor

CamScanner

KSK Novels

نگہت سیما

حبس موسم سے

"مجھے لگتا ہے جیسے میں کسی دن پھٹ جاؤں گی یوں جیسے بم بلاسٹ ہوتا ہے یا پھر یوں جیسے آتش فشاں پھٹتا ہے۔"

اس نے فائل پر آڑی ترچھی لکیریں مارتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟"

ثوبیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

اس کی لانبی گھنی پلکوں والی خوب صورت آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور اس کی گندمی رنگت میں زردیاں سی گھلی ہوئی تھیں۔

"اور تمھیں پتا ہے ثوبی جب آتش فشاں پھٹتا ہے یا بم بلاسٹ ہوتا ہے تو تباہی آس پاس اردگرد بہت دور تک پھیلتی ہے۔"

اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے وہ جیسے اپنے آپ سے بولی۔

"اور اس وقت تو میں ہی تمھارے پاس ہوں۔ خدا کے لیے اس وقت بلاسٹ نہ ہونا ورنہ میرے بے چارے ہونے والے میاں کے سہرے کے پھول بن کھلے ہی مرجھا جائیں گے۔"

اس نے کچھ اس طرح ہاتھ ہلا ہلا کر کہا کہ ماہم کے ہونٹوں پر بے اختیار ہنسی آگئی۔

"سوری ثوبی۔ میں کبھی کبھی یوں ہی اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتی ہوں۔"

"ہاں لیکن تمھارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے ماہم جو تم دوستوں کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ثوبی بس یوں ہی کبھی کبھی میں کچھ عجیب سا محسوس کرتی ہوں۔"

"نہیں کوئی بات تو ہے ماہم جو اکثر تمھیں اپ سیٹ کر دیتی ہے۔ جس طرح کی باتیں تم کبھی کبھی کرتی ہو نا اس سے لگتا ہے تم اپنی ذات میں تنہا ہو۔ تم نے اس طرح اپنے آپ کو تنہا کیوں کر لیا ہے ماہم۔ تمھارے اردگرد بہت سے تمھارے اپنے ہیں۔ پھر تم اتنی تنہا کیوں ہو؟"

ثوبی نے سچ کہا تھا۔ وہ سب کے ہوتے ہوئے بھی تنہا تھی، اکیلی تھی۔ پتا نہیں کیوں؟ اس کا دل بھر آیا لیکن اس نے آنسوؤں کو پلکوں تک آنے سے روک لیا۔

"میں تمھاری دوست ہوں تمھارے دل پر اگر کوئی بوجھ ہے تو مجھ سے کہو ممکن ہے میں تمھاری مدد نہ کر سکوں لیکن تمھارے دل کا بوجھ ہلکا ضرور ہو جائے گا۔ یا پھر اگر مجھ سے نہیں کہنا چاہتی ہو تو اپنی آپی سے، مینو سے کسی سے تو دل کی بات کر لیا کرو۔ یوں خود سے اپنے آپ سے باتیں کر کر کے تو تم تھک جاؤ گی ماہی۔"

ثوبیہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

"بظاہر تو کوئی بات نہیں ثوبی۔"

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"کوئی ایسی بات نہیں جو میں کسی کے ساتھ شیئر کروں لیکن چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے تکلیف دیتی ہیں۔ میں پتا نہیں ایسی کیوں ہوں۔ میں چھوٹی سی تھی نا ثوبی تو ایک بار بابا نے مجھے ڈانٹا تھا تو میں سنجیدگی سے مرنے کا سوچنے لگی تھی۔ اور پتا ہے کبھی اسکول میں مجھے دیر ہو جاتی تھی نا تو آپی پوچھتیں۔

"ماہی اسکول میں دیر کیوں ہو گئی؟"

اور ان کا یہ پوچھنا بھی مجھے اذیت دیتا تھا۔ میں ایسی کیوں ہوں ثوبی۔"

وہ سسک پڑی۔

"میں تمھاری طرح ہونا چاہتی ہوں۔ سب کی طرح زندگی گزارنا چاہتی ہوں مگر۔۔۔"

"ساری بات یہ ہے کہ تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو اور یہ ضرورت سے زیادہ حساس ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ زیادہ سوچا نہ کرو ماہی۔"

"میں بھی زیادہ سوچنا نہیں چاہتی مگر پتا نہیں کیوں سوچیں خود بخود مجھے گھیر لیتی ہیں۔ میں اتنا اپنے آپ کو سمجھاتی ہوں کہ آخر مینو ہے، گڑیا ہے۔ بے بی ہے، آپی انھیں اکثر ڈانٹ دیتی ہیں مگر انھیں پروا ہی نہیں ہوتی ذرا دیر بعد ہنس رہی ہوتی ہیں لیکن مجھے آپی کی چھوٹی سی بات بھی تیر کی طرح لگتی ہے۔"

"تمھاری آپی کچھ سخت مزاج لگتی ہیں، یوں جیسے ان کے اندر بہت غصہ بھرا ہوا ہو۔"

ثوبیہ نے رائے دی۔

"ہاں انھیں غصہ بہت جلد آجاتا ہے، مگر اندر سے وہ بڑی نرم دل ہیں۔"

"مگر انھیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے ماہی، اس روز جب میں اور عادل تمھیں چھوڑنے گئے تھے تو۔۔۔"

"ہاں۔"

وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس روز آفس کے بعد ثوبیہ ضد کر کے اسے ساتھ لے گئی تھی۔ اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے خاصی دیر ہوگئی تھی۔ حالانکہ اس نے پڑوس میں فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ ثوبیہ کے گھر جا رہی ہے۔ پھر بھی آپی کے مزاج کے پیشِ نظر وہ ڈر رہی تھی۔

"یار تم تو اس طرح ڈر رہی ہو جیسے چھ ماہ کی دودھ پیتی بچی ہو۔ عادل بھائی آجائیں تو ہم تمھیں خود چھوڑ آئیں گے۔"

اور وہ تو غنیمت تھا کہ عادل کے ساتھ جانے کیا سوچ کر ثوبیہ بھی چلی آئی تھی۔ ورنہ اگر وہ تنہا عادل کے ساتھ آتی تو جانے آپی کیا سمجھتیں مگر اب بھی ان کا غصہ خاصے عروج پر تھا۔ اور انھوں نے ثوبیہ کی پروا کیے بغیر ہی اسے ڈانٹ دیا تھا اور وہ مارے شرمندگی اور ندامت کے انھیں اندر آنے کو بھی نہ کہہ سکی تھی۔

"پتا ہے ثوبی آپی پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔"

اس نے آپی کی طرف سے صفائی پیش کی حالانکہ وہ تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں بچپن سے ہی۔

"دراصل ان کے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے شادی کے صرف سات دنوں بعد بیوہ ہو جانا، تم خود سوچو ان کے دل پر کیا کچھ نہ بیتی ہوگی۔"

"ہاں یار! یہ تو ہے۔"

ثوبیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہر حال تم زیادہ سوچا نہ کرو جانو۔ اور اپنے آپ کو اتنا تنہا اتنا اکیلا مت کرو۔ کبھی کبھی دل کی بات کسی سے کہہ لیا کرو، اور ہاں آج تم بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔ چلو چھٹی کے بعد ساتھ ہی چلنا۔ عادل بھائی بھی اتفاق سے آئے ہوئے ہیں۔ رات ہم تمھیں چھوڑ آئیں گے۔"

"نہیں۔"

اس نے جھرجھری سی لی۔ آپی کی وہ طنزیہ نظریں جیسے اس کے اندر کھبنے لگیں۔ شک کرتی ٹٹولتی کھوجتی نظریں۔ اور پھر ان ظالم نظروں کے ساتھ زہر میں بھیگے الفاظ

"کیوں؟"

ثوبیہ نے پوچھا

"ویسے ہی۔"

اب وہ کیا اسے بتاتی کہ آپی کو شاید اس کا اس کے گھر جانا پسند نہیں ہے حالانکہ کتنی اچھی اور مخلص تھی ثوبیہ اور پھر عادل بھائی اور گھر کے دوسرے افراد سب اس سے کتنی محبت سے ملتے تھے مگر ــــ

"کیا حرج ہے بھئی! امی تمھیں یاد کر رہی تھیں۔"

"حرج تو کوئی نہیں مگر اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے پھر کبھی آجاؤں گی۔"

"اچھا جیسے تمھاری مرضی۔ ہم تو چلیں جناب فائلوں کا ڈھیر لگا ہے اور ابھی نظامی صاحب کا آرڈر آجائے گا۔"

ثوبیہ اپنی ٹیبل پر چلی گئی تب بھی وہ یونہی بہت دیر تک قلم ہاتھوں میں لیے بیٹھی رہی۔

واقعی میں تنہا ہوں۔ اپنے آپ میں اکیلی ہوں جیسے بھرے بازار میں کوئی اکیلا ہو یا بھری بزم میں تنہا۔ اپنے آپ میں گم اور دوسروں سے خفا۔ لیکن یہ تنہائی میرے اندر کیوں پیدا ہوگئی ہے۔ شاید اس لیے کہ میں دوسروں سے مختلف ہوں یا پھر جیسا میں سوچتی ہوں ویسا آپی اور اماں نہیں سوچتیں۔ کاش میرے، آپی اور اماں کے خیالات میں کوئی تضاد نہ ہوتا تو پھر شاید میں اتنی اکیلی نہ ہوتی۔ اور میرے اندر اتنی گھٹن نہ ہوتی۔

بہت بچپن میں بھی اس کے اور آپی کے خیالات میں تضاد تھا حالانکہ آپی اس سے صرف دو سال بڑی تھیں لیکن ان میں دوستی کبھی نہ ہو سکی تھی۔ اس کا کھیلنے کو جی چاہتا تو آپی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتیں۔ اسے جو چیز پسند آتی آپی کو ناپسند ہوتی۔ اسے لڑکیاں اچھی لگتی تھیں۔ اور جب وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی کہ اللہ میاں اسے ایک پیاری سی بہن دے دے تو آپی غصے سے اسے گھورتیں اور پھر ایک دن انھوں نے اس کی شکایت اماں سے کر دی۔ تب اماں نے اسے پاس بٹھا کر کہا تھا۔

"اللہ میاں بچوں کی دعائیں سنتے ہیں۔ ماہی بیٹے دعا کرو پیارے سے بھائی کے لیے۔" مگر اسے تو بھائی اچھے ہی نہیں لگتے تھے۔ سونی کا بھائی کیسے اُسے بالوں سے پکڑ پکڑ کر مارتا تھا۔ چنانچہ وہ دعا میں ہمیشہ ڈنڈی مار جاتی ــ اور اللہ میاں ہر بار ایک گڑیا سی بہن بھیج دیتا۔ اور یکے بعد دیگرے چھ لڑکیوں کی پیدائش نے اماں کو چڑچڑا اور کمزور کر دیا تھا۔ اور انھوں نے آپی کو یہ کہہ کر اسکول سے اٹھوا لیا کہ ان سے بے بی اور گڑیا کو نہیں سنبھالا جاتا۔ آپی ان دنوں ساتویں جماعت میں پڑھتی تھیں۔ انھیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔

اس نے کئی بار انھیں چھپ چھپ کر روتے ہوئے دیکھا تھا۔

اور استفسار پر ان کی ڈانٹ کھائی تھی۔ وہ ان کا کرب سمجھتی تھی۔ جب اسے اسکول سے دیر ہو جاتی یا وہ کسی اور بات پر اعتراض کرتیں تو اسے غصہ نہیں آتا تھا۔ آخر آپی اپنی محرومیوں کا بدلہ کس سے لیں؟ وہ سوچتی اور چپ کر جاتی۔ وہ ہر بات میں مخالفت کرتی تھیں۔ پکنک پر جانا ہوتا تو وہ کہہ دیتیں۔ کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔ کوئی فنکشن ہوتا تو وہ اسے جانے سے روک دیتیں۔ کتنا دل چاہتا تھا اس کا کہ سب لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی انجوائے کیا کرے خوش ہو مگر اس کی خوشی اور مسرت اس کے اندر ہی گھٹ کر رہ جاتی تھی آپی اس کے لباس کو بھی تنقیدی نظر سے دیکھتی تھیں۔

"بڑے فیشن آگئے ہیں کرنے۔ یہ شلوار دیکھی ہے اماں آپ نے۔ ذرا ذرا سے پائنچے کر لیے ہیں۔"

اماں عینک لگا کر دیکھتیں۔

"ہاں واقعی۔ ادھر تو لا شانو ادھیڑ کر صحیح کر ڈال۔"

"اماں!"

وہ احتجاج کرتی۔

"اب بڑے پائنچوں والی شلواریں کوئی نہیں پہنتا۔ لڑکیاں ہنستی ہیں مجھ پر۔"

"کوئی بھی نہیں ہم بھی پڑھتے رہے۔"

آپی اماں کو مزید بھڑکاتیں۔

"ہاں اور کیا شانو نے تو تمھاری طرح کبھی فیشن نہیں کیے۔"

"تب فیشن نہیں تھا۔ پھر آپی نے تو ساتویں میں ہی پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔"

مگر اس کا احتجاج بے اثر رہتا، ہوتا وہی جو آپی چاہتیں۔ تب تنگ آکر ایک دن اس نے فیصلہ سنا دیا کہ وہ آگے نہیں پڑھے گی۔

"ارے کیوں میٹرک تو کر لے۔"

اماں نے اسے سمجھایا۔

مگر وہ ضد پر اڑی رہی۔ کیا فائدہ پڑھنے کا۔ سنہ ۱۹۵۰ء کے ڈیزائن کا یونیفارم اور جوتے پہلی عالمی جنگ کے خریدے ہوئے، کبھی جو نئے ڈیزائن کے جوتے آپی خرید کر لائی ہوں۔ جانے ان میں کتنی پرانی روح سمائی ہوئی تھی۔

"پاگل ہو۔"

بابا نے اسے سمجھایا۔

"تمھیں تو بہت سارا پڑھنا ہے ماہی تم تو میرا بیٹا ہو۔ سارے ارمان تو مجھے تم پر نکالنے ہیں۔"

اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور اگلے دن وہ چپ چاپ وہی پاؤں میں الجھتے پائنچوں والی شلوار اور گھٹنوں تک لمبا فراک پہنے اسکول جا رہی تھی۔ اب وہ آپی کی ہر بات چپکے سے برداشت کر لیتی اس لیے کہ بابا اسے پڑھانا چاہتے تھے اور وہ سچ مچ بیٹا بن کر دکھانا چاہتی تھی۔ اگر وہ دعائیں ڈنڈی نہ مارتی تو کیا پتا اللہ میاں ان چار بہنوں کے بجائے چار بھائی ہی بھیج دیتا۔ وہ جو اتنے خلوص سے آنکھیں بند کر کے لہک لہک کے پیاری سی بہن کی دعا مانگا کرتی تھی شاید اسی لیے اللہ میاں نے بہنیں بھیجی تھیں

اور پھر وہ پڑھتی چلی گئی اور جس روز اس کا بی۔ اے کا رزلٹ آیا تھا۔ اسی روز آپی کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی اور شاید شیراز بھائی کی رفاقت کا حسین خیال تھا کہ جب بابا نے اس کو یونیورسٹی میں داخل کرانے کی بات کی تھی تو آپی نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ مگر خدا کو شاید یہ منظور ہی نہ تھا۔ آپی شادی کے صرف سات دن بعد بیوہ ہو گئیں۔ شیراز بھائی اور بابا اکٹھے جا رہے تھے۔ شیراز بھائی آپی کو چھوڑنے آئے تھے۔ بابا دفتر جانے کے لیے نکل رہے تھے۔ شیراز بھائی نے انھیں اپنے اسکوٹر پر ہی بٹھا لیا تھا۔ شیراز اس کی پھپھو کے بیٹے بھی تھے۔

"چلیے ماموں آپ کو دفتر چھوڑتا جاؤں گا۔" مگر ایک ظالم ٹرک دونوں کی زندگی کے چراغ بجھا گیا تھا۔ کتنے سارے دن تو اس کی کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا ہو گیا ہے اور پھر وہ جب سنبھلی تو اسے احساس ہوا کہ بابا اسے بیٹا کہتے تھے اور اب اس کے کندھوں پر ایک دم ہی بہت سارا بوجھ آگرا ہے۔ تب اس نے نوکری کی کوشش کی۔ پرائیویٹ اسکولوں میں کوشش کی مگر وہاں تنخواہ دو تین سو سے زیادہ نہ ملتی تھی۔ سو مجبوراً ایک آفس میں نوکری کر لی آپی کرید کرید کر اس سے پوچھتی رہتیں اور وہ نرمی سے ان کی ہر بات کا جواب دیتی رہتی۔ ثوبیہ بھی یہاں ہی آفس میں کام کرتی تھی۔ اس کا منگیتر اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر گیا ہوا تھا لہٰذا وقت گزاری کے لیے سروس کر رہی تھی۔ جلد ہی دونوں میں دوستی ہو گئی تھی۔ چاروں چھوٹی بہنیں پڑھ رہی تھیں۔ اس کا دل چاہتا تھا ان کی ہر خواہش پوری ہو۔ وہ ان کی مرضی کے مطابق انھیں کپڑے سلوا کر دیتی۔ اسکول

میں کوئی فنکشن ہوتا۔ یا کالج کا کوئی ٹرپ پکنک پر جاتا تو وہ انھیں بالکل منع نہ کرتی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ بچپن میں اس کی جو خواہشیں پوری نہ ہوئی تھیں۔ اُن کی پوری ہو جائیں لیکن آپی احتجاج کرتیں، منع کرتیں۔

"کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی گھر بیٹھو۔"

اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ مینو، گڑیا اور بے بی تو ذرا سا رو دھو کر چپ کر جاتیں لیکن وہ ہفتوں اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی۔ اپنے آپ سے اُلجھتی رہتی۔ اب وہ بچی نہیں تھی لیکن آپی اس کے ساتھ اسی طرح کا رویہ رکھتی تھیں۔ حالانکہ اُسے سروس کرتے ہوئے بھی چار برس ہو گئے تھے۔ وہ پورے گھر کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھی۔ اور وہ کوئی ناسمجھ بچی نہ تھی کہ اس کے قدم کہیں بہک جاتے لیکن آپی جانے کیوں؟ ۔ اور اس بات پر وہ بہت اپ سیٹ ہوتی تھی۔

"اے!"

ثوبیہ پھر اُٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"تم نے بٹ صاحب کی فائل دیکھ لی۔ وہ نظامی صاحب پوچھ رہے تھے۔"

"اوہ سوری۔"

اس نے جلدی سے فائلوں کے ڈھیر سے بلیو فائل نکالی۔

"تم ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو۔"

ثوبیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اوہ ہاں بس یوں ہی کچھ سوچنے لگی تھی۔"

"مت سوچا کرو اتنا میری جان۔"

ثوبیہ نے اس کے سر کو تھپتھپایا۔

"کل چھٹی ہے تم صبح ہی آجانا۔"

"کیوں؟"

"کیوں کی بچی تمھیں نے تمھیں بتایا نہیں ہے کہ امی وغیرہ سب تمھیں یاد کر رہے تھے۔ اور پھر وہ میری رخصتی وغیرہ کا چکر بھی ہے۔ کچھ ـــــ یار خود ہی سمجھ لو۔"

"اچھا۔"

وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ طاہر آگئے ہیں۔"

"بتانے ہی تو آئی تھی لیکن اس وقت محترمہ بلاسٹ ہونے کے چکر میں تھیں۔ سو ذہن سے نکل ہی گیا۔"

"کب تک کا پروگرام ہے؟"

"اسی ماہ کے اینڈ تک۔ کپڑے وغیرہ سیٹ کریں گے تم کل آنا ضرور۔"

"اچھا۔"

اس نے وعدہ کر لیا اور جب ناشتے کے بعد وہ اس کے گھر جانے کے لیے تیار ہوئی تو آپی نے پوچھ ہی لیا۔

"کہاں جا رہی ہو ماہی؟"

"ثوبیہ کے ہاں۔"

"روز آفس میں ملاقات نہیں ہوتی کیا؟"

"ہوتی ہے۔"

وہ آپی کی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکی۔

"ثوبیہ کے بھائی بھی تو گھر پر ہوتے ہوں گے۔"

"جی۔"

وہ ان کی بات کی تہہ تک پہنچی تو اندر سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے مگر آپی تو بات کر کے بے نیاز سی بنی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ ثوبیہ سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو وہاں سے ہی پلٹ آتی لیکن وعدہ کر چکی تھی سو نبھایا مگر وہاں بھی وہ بہت اُداس اور چپ چپ سی رہی۔ کوئی گہرا دکھ اندر ہی اندر اسے کاٹتا رہا۔ اس پر ستم یہ کہ ثوبی نے اچانک ہی اسے بھابی بنانے کی خواہش کر ڈالی۔

"ماہم ہمارے گھر میں سب ہی تمھیں پسند کرتے ہیں۔ تمھاری یہ دھیمی دھیمی فطرت اور کم گوئی سب کو اچھی لگتی ہے۔ میرے بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔ اچھی پوسٹ پر ہیں۔ تمھیں یقیناً کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں اور امی ایک دو روز میں تمھارے گھر آئیں گے۔ امی کا خیال ہے کہ میری رخصتی سے پہلے عادل کی منگنی کر دیں۔"

"نہیں پلیز نہیں۔"

اس کے چہرے پر ایک دم زردیاں اُتر آئی تھیں۔ اور اس نے بے اختیار ثوبیہ کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"فار گاڈ سیک ثوبی اس مقصد کے لیے ہمارے گھر مت آنا۔"

"مگر کیوں؟"

ثوبیہ کو حیرت ہوئی۔

"تمھیں پتا ہے ثوبی۔ میرے سر پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ ابھی تو چاروں بہنیں پڑھ رہی ہیں۔ کل کو ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ اور..."

"یہ سب تو مجھے پتا ہے ماہی۔ مینو بی۔ اے میں ہے۔ گڑیا تھرڈ ایر میں اور تم نے خود ہی بتایا تھا کہ تمہارے بڑے ماموں نے مینو اور گڑیا دونوں کو مانگ لیا ہے۔ دو سال تک تم ان کی شادیاں کر دو گی۔ پھر بے بی اور مانو رہ جائیں گی تو زیادہ سے زیادہ تین چار سال تک تم ان کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤ گی اور عادل کا خیال ہے کہ ایک اچھے ساتھی کے لیے اتنا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ صرف بات پکی ہو جائے۔"

"نہیں ثوبی پلیز نہیں۔"

وہ بیدردی سے اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"تم لوگ اس مقصد کے لیے نہ آنا میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"بابا کہا تو ہے کہ فی الحال صرف منگنی وغیرہ کر دیں گے۔ شادی۔"

"نہیں ثوبی تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم سمجھاؤ تو۔"

ثوبی چڑ گئی۔

"ہم تمہارا انتظار کرنے کو تیار ہیں پھر۔"

"پھر۔"

وہ اسے کیا سمجھاتی اور کیسے۔ آپی کی طنزیہ ہنسی اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ آپی تو سمجھیں گی کہ میں۔ میں ثوبی کے ہاں آتی ہوں تو ضرور کوئی بات ہو گی حالانکہ اس نے تو عادل کو صرف ایک بار ہی دیکھا تھا جب وہ اور ثوبی اسے گھر چھوڑنے گئے تھے۔

"ہاں ماہم بتاؤ نا کیا وجہ ہے؟ کوئی جواز تو ہو گا۔"

"کیا یہ جواز کم نہیں ہے کہ میں پہلے مینو، بے بی اور گڑیا سب کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہوں۔ ابھی اپنے متعلق سوچنا نہیں چاہتی۔ اور آدمی پابند ہو جائے تو پھر بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔"

"لیکن ماہی سوچ لو اچھی طرح، اچھے لوگ زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔ عادل بہت اچھا انسان ہے اس لیے نہیں کہ وہ میرا بھائی ہے بلکہ وہ سچ مچ تمہارے قابل ہے۔ اور پھر یہ صرف میری یا امی کی خواہش نہیں تھی، اس کی خواہش بھی تھی۔"

"نہیں ثوبی تم میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکتی ہو، پلیز تم آپی سے یا اماں سے کوئی بات نہ کہنا۔"

اس نے التجا کی اور آنسو اس کی پلکوں کے کناروں پر آ کر اٹک گئے۔

"تمہیں کیا پتا ثوبی اگر آپی نے مجھے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو میں تو وہیں مر جاؤں گی۔"

"تم۔"

ثوبیہ نے گہری نظروں سے اس کی پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا۔

"تم ماہم نصیر تم خدا جانے کیا چیز ہو۔ میں آج تک تمہیں نہیں سمجھ سکی۔ بلکہ میں نے تم جیسی کوئی لڑکی اس روئے زمین پر نہیں دیکھی۔ تم خدا جانے کون سی دنیا میں رہتی ہو۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تم سروس کیسے کرتی ہو۔ گھر سے کیسے باہر نکلتی ہو۔ یہ چوہے جتنا تو تمہارا دل ہے۔"

اور واقعی اسے کیا پتا تھا کہ وہ کیسے سروس کرتی ہے۔ گھر سے دفتر تک سارا راستہ آیۃ الکرسی پڑھتی آتی ہے۔ زندگی نے اس پر اتنا بڑا بار جو ڈال دیا تھا۔ وہ ہمت کر کے حوصلہ کر کے باہر نہ نکلتی تو سب کا کیا بنتا۔ تعلیم کیسے جاری رہتی۔ پیٹ کا ایندھن کیسے بھرتا۔ اماں تو بالکل چارپائی کی ہو کر رہ گئی تھیں اور آپی کے پاس اتنی تعلیم ہی نہ تھی کہ وہ کچھ کر سکتیں۔ ان دنوں جب نشیراز اور ابا کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو آپی کو کتنا شدید احساس ہوتا تھا کہ کاش وہ پڑھی لکھی ہوتیں تو۔۔۔ اور ایسے میں اسے ہی تو ہمت کرنا تھی نا۔ اگرچہ جب وہ پہلے دن آفس آئی تھی تو بہت ڈر رہی تھی۔ اندر ہی اندر کانپ رہی تھی لیکن پھر ثوبیہ، تانیہ اور مسز رباب کی موجودگی سے اس کی بڑی ڈھارس بندھی تھی۔

ثوبیہ بہت افسردہ تھی لیکن اس نے مزید ضد نہیں کی تھی۔

"ٹھیک ہے ماہی لیکن تم سوچنا ضرور اس کے متعلق۔"

"اچھا۔"

اس نے سر ہلا دیا تھا حالانکہ اس نے بھلا کیا سوچنا تھا۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ آپی کو کوئی بات کرنے کا موقع ملے۔ آپی کی نظروں سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔ اسے یاد تھا ایک دو دن یونہی اس نے ہلکی سی لپ اسٹک لگا لی تھی تو آپی نے یونہی ناشتہ کرتے کرتے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"ماہی تمہارے آفس میں مرد بھی تو کام کرتے ہوں

گے۔"

"جی۔"

"محتاط رہنا چاہیے۔"

پہلے تو وہ کچھ نہیں سمجھی تھی لیکن پھر آپی کی نظریں مسلسل اپنے چہرے پر پا کر اچانک ہی اسے ادراک ہوا تھا اور وہ پانی پانی ہو گئی تھی۔ اور تب سے لے کر اب تک پھر وہ کبھی لپ اسٹک وغیرہ لگا کر آفس نہیں آئی تھی۔ وہ اتنی محتاط رہتی تھی۔ پھر بھی کبھی کبھی آپی کی کوئی بات اس کے آئینے پر خراشیں ڈال دیتی اور آنسو اس کے اندر ہلچل مچا دیتے مگر وہ صبر کر لیتی۔ سو عادل کا خیال جو کچھ دیر کے لیے اس کے ذہن میں آیا تھا نکل گیا تھا۔ اور اسے خیال تک نہ رہا تھا کہ ثوبی نے عادل کے بارے میں کچھ کہا تھا۔ اس لیے اسے اس روز اپنے آفس میں دیکھ کر وہ یکدم ششدر رہ گئی تھی۔

"آپ، وہ ثوبی تو شاید اوپر ہو گی۔"

"مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا ماہم۔"

"جی مجھ سے؟"

اس نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر ثوبیہ کی میز کی طرف دیکھا مگر وہ شاید اوپر نظامی صاحب کے آفس میں تھی۔

"ہاں ماہم آپ سے۔ ثوبی نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے منع کر دیا ہے مگر میں چاہتا تھا کہ ایک بار خود آپ سے بات کر لوں۔ مجھے آپ کی ذمہ داریوں کا پتا ہے ماہم۔ میں انتظار کر سکتا ہوں۔ دو تین چار بلکہ اس سے بھی زیادہ سال جب تک آپ کہیں۔ میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کی ذمہ داریوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ منگنی کی رسم بھی محض اس لیے چاہتا تھا کہ مجھے یہ یقین رہے کہ آپ میری ہیں۔"

اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں۔

یا اللہ یہ شخص کیوں آیا ہے یہاں؟

"آپ کے انکار کی کیا وجہ ہے ماہم کیا صرف یہی وجہ ہے تو؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ گھبرا کر اس نے پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے۔

"وہ میں نے ثوبی کو بتا دیا تھا کہ یہ بہت مشکل ہے۔"

"مگر کیا مشکل ہے ماہم جب کہ میں انتظار کرنے کو تیار ہوں۔"

یا اللہ اب وہ کیا کہے۔

اس نے اضطراب سے ہاتھوں کو ملا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ماہم میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں۔ آپ مجھے اچھی لگیں اور پھر ثوبی نے جس طرح آپ کے متعلق بتایا تو میں نے سوچا کہ آپ ایسی ہیں کہ آپ کی رفاقت پر فخر کیا جا سکتا ہے اور زندگی آپ کے سنگ بہت سہل ہو جائے گی۔"

"مگر میری مجبوری ہے۔"

اس نے ہمت کر کے عادل کی طرف دیکھا جو بڑی وارفتگی اور اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دنیا اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کوئی اور لڑکی یقیناً مجھ سے اچھی ـــــ"

"کوئی کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو ماہم۔"

عادل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ آپ تو نہیں ہوں گی۔ سفر تو کٹ ہی جاتا ہے اکیلے بھی اور کسی کے ساتھ بھی لیکن اگر ساتھی من پسند ہو تو سفر کی صعوبتیں، صعوبتیں نہیں لگتیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں آپ کے بغیر مر جاؤں گا لیکن زندگی بے رنگ ضرور ہو جائے گی۔ کہ ان بیتے ہوئے چند دنوں میں میں نے آپ کے لیے بہت سوچا اور جتنا بھی سوچا۔ یہ یقین پختہ ہوتا گیا کہ آپ کا ساتھ اور آپ کی ہمراہی زندگی کو بہت خوب صورت بنا دے گی۔"

"لیکن میں ـــ میں تو ایک بہت معمولی سی، بہت عام سی لڑکی ہوں اور ـــ"

"نہیں آپ عام لڑکی نہیں ہیں ماہم۔"

عادل نے پھر اس کی بات کاٹ دی اور مسکرایا۔

"آدمی کو بعض اوقات خود اپنی خوبصورتیوں کا ادراک نہیں ہوتا۔

تم ـــ تم بہت پیاری ہو ماہم بہت دلکش۔"

وہ تھوڑا سا جھکا اور اس کے رخسار تپ اٹھے۔ لانبی گھنی پلکیں جھک گئیں۔

یہ ـــ یہ اتنا اچھا شخص اتنی خوب صورتی سے باتیں کرتا۔ اگر زندگی کے سفر میں اس کی رفاقت میسر آ جائے تو کتنا اچھا ہو۔ اور جب ثوبی اور اس کی ممی عادل کا پروپوزل لے کر جائیں گی تو آپی سے اور شاید اماں بھی۔

شاید وہ دونوں سوچیں کہ میں جو ثوبی کے گھر جاتی تھی تو اس لیے اور ــــ اوہ میرے خدا!"

اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"کیا ہوا؟"

عادل کے مسکراتے لب بھنچ گئے۔

"کیا میری کوئی بات بُری لگی ماہم؟"

"نہیں!"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مگر یہ بات ممکن نہیں ہے۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ کو کوئی بہت اچھی لڑکی مل جائے گی۔ لیکن میں پلیز میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔"

"اگر فی الحال یہ بات ممکن نہیں ہے ماہم تو میں دس سال بھی انتظار کر سکتا ہوں لیکن مجھے کوئی تھوڑی سی امید تھوڑا سا یقین تو دلا دو۔ میں اس امید اس یقین کے سہارے ــــ"

"کیسے کیسے دلا دوں یقین!"

بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں!"

اس نے بات بنائی۔

"لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے!"

"نہیں کوشش بھی نہیں!"

اس نے التجا کی۔

پھر تو وہ ساری زندگی آپی سے نظر نہ ملا سکے گی۔

"ماہم پلیز اتنی سخت دل مت بنو!"

مگر اس نے اپنے دل کو سخت کر لیا۔ وہ بے حد دلگرفتہ اور شکستہ واپس جانے لگا تو اس کا دل چاہا کہ وہ اسے روک لے۔

"زندگی میں اچھے لوگ بار بار نہیں ملا کرتے!"

ثوبیہ نے جیسے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

کیا ہو گا جو آپی نے اس کے بارے میں غلط سوچ لیا۔ اتنے اچھے، اتنے مخلص آدمی کا ساتھ تو مل جائے گا۔ زندگی بھر کی ساری تھکاوٹیں سارے دکھوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ یہی ہو گا نا کہ آپی کہیں گی کہ میں ــــ اور میرا ضمیر مطمئن ہے نا۔

وہ ذرا سا اپنی سیٹ سے اٹھی۔ اس نے چاہا کہ وہ عادل کو آواز دے، مگر کسی انجانے احساس نے اس کا گلا بھینچ لیا اور عادل مایوس سر جھکائے تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثوبیہ نے سچ ہی کہا تھا کہ زندگی میں اچھے لوگ بار بار نہیں ملا کرتے۔ عادل کے بعد پھر ہوا کا کوئی جھونکا اس کی زندگی میں نہ آیا۔ ثوبیہ نے شادی کے بعد سروس چھوڑ دی تو وہ اور بھی اکیلی اور بھی تنہا ہو گئی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا دم گھٹنے لگتا۔ اور اسے سمجھ میں نہ آتا کہ کیوں؟ مینو اور گڑیا کی شادی ہو گئی تھی۔ زندگی کے اتنے سارے سال وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی اور بالوں میں کہیں کہیں سفیدی بھی اتر آئی تھی لیکن آپی کی نظریں اب بھی اسے ٹٹولتی کھوجتی ہوئی محسوس ہوتیں کبھی کبھی اسے ہنسی آتی۔

"اب بھلا اس عمر میں ــــ میں!"

اور ہنسی کے ساتھ ہی اس کے آنسو چھلک پڑے۔ اس نے تو کبھی اپنی سوچوں تک کو آلودہ نہیں ہونے دیا تھا حتیٰ کہ عادل کو بھی کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ جو بہار کے جھونکے کی طرح اس کی زندگی کے صحرا میں لمحہ بھر کے لیے خوشبو بکھیر گیا تھا۔ پھر! پھر پتا نہیں آپی اس پر کیوں اعتماد نہیں کرتیں۔ ایک عجیب سی اذیت اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگتی تھی۔ اور ایک انجانا سا خوف اس پر مسلط ہو جاتا۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا تھا۔ وہ آفس سے نکلی تو پتا چلا کہ آج بسوں اور ویگنوں کی ہڑتال ہے۔ کالج کے کسی لڑکے نے ایک بس ڈرائیور کو مارا پیٹا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ رکشہ کر لے مگر وہ خوف زدہ ہو گئی۔ ہر رکشہ ڈرائیور اسے غنڈا لگتا۔ اور وہ اسے روکتے روکتے رہ جاتی۔ تب ہی اس کے قریب آ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ گلے میں بیگ لٹکائے وہ کوئی بارہ تیرہ برس کا لڑکا ہو گا۔

"باجی نو نمبر بس چلی گئی ہے کیا؟"

تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔

"نہیں بیٹا آج تو بسوں کی ہڑتال ہے!"

اس نے نرمی سے جواب دیا۔

"آپ نے کدھر جانا ہے؟"

"فردوس مارکیٹ تک جانا ہے!"

"ارے مجھے بھی ادھر جانا ہے۔ میں رکشہ کرتی ہوں آپ میرے ساتھ ہی چلیں!"

اسے ایک دم بڑی ڈھارس سی ملی اس نے سوچا یہ بچہ ساتھ ہو گا تو پھر ڈر نہیں لگے گا۔ حالانکہ پہلے کئی بار وہ اکیلی رکشے میں جاتی رہی تھی لیکن بس کبھی کبھی اچانک ہی خوف اس پر مسلط ہو جاتا تھا۔

بچہ تھوڑا سا ہچکچایا۔

"آپ کا گھر مارکیٹ کے اندر ہے۔؟"

"جی۔"

"ہمارا بھی بس وہیں مارکیٹ کے اندر ہے۔ نیشنل بینک کے پاس۔"

"ہمارا گھر نیشنل بینک سے تھوڑا سا پیچھے ہے۔"

بچے نے بتایا۔

"آپ کا نام؟"

"سلمان۔"

تب ہی ایک رکشہ گزرا تو اس نے روک لیا۔

سلمان کے ساتھ سے اُسے بڑے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی اتر گئی تھی۔

"یہاں سے میں پیدل چلی جاؤں گی۔ آپ کا شکریہ۔"

"شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے۔"

سلمان نے بے تکلفی سے کہا۔

"نہیں پتا کیا سلمان مجھے اکیلے آتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ آپ مل گئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔"

اس نے سادگی سے بتایا تو سلمان کی آنکھیں چمکنے لگیں جیسے وہ کوئی بڑا معتبر ہو۔

"میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔"

اس نے پیش کش کی۔

"ارے نہیں بیٹا میں چلی جاؤں گی۔ وہ تو رکشے میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔"

"آپ اکیلی کبھی نہیں بیٹھیں رکشے میں؟"

"کبھی کبھی اتفاق ہو جاتا ہے لیکن زیادہ تر بس پر ہی آتی ہوں۔"

"آپ پڑھتی ہیں؟"

"ارے نہیں۔"

وہ ہنس دی۔

"میں تو قمر اینڈ سنز میں جاب کرتی ہوں۔"

"آپ کتنے بجے آفس کے لیے گھر سے نکلتی ہیں۔"

"ساڑھے سات بجے۔"

"میں پونے آٹھ بجے نکلتا ہوں لیکن میں صبح ساڑھے سات بجے آجاؤں گا۔ کیا پتا صبح بھی ہڑتال ہو اور آپ کو اکیلے رکشے میں جاتے ہوئے ڈر لگے گا۔"

"نہیں تو روز تو ڈر نہیں لگتا۔ بس کبھی کبھی ایسے ہی خوف سا محسوس ہوتا ہے۔"

باتیں کرتے کرتے وہ رُک گیا۔

"یہ رہا ہمارا گھر۔"

بڑا سا گرے گیٹ تھا۔

"اچھا یہ تمہارا گھر ہے۔"

"جی نیچے مارکیٹ ہے اور اوپر ہم رہتے ہیں۔"

اور یہ سلمان سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد اکثر وہ بس اسٹاپ پر اسے منتظر ملتا۔ وہ اکٹھے ہی جاتے۔ کبھی کبھی وہ واپس بھی اکٹھے ہی آتے۔ سلمان اپنے بھائی اور بھابی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے والدین حج کرنے گئے تھے اور ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اس وقت وہ دو سال کا تھا۔ اس کی بھابی کا سلوک نہ تو بہت اچھا تھا اور نہ ہی بہت بُرا۔ بس نارمل سا لیکن کبھی کبھی وہ بے طرح اداس ہو جاتا۔

"آج بھابی نے یوں ہی بے وجہ ڈانٹ دیا۔"

وہ اسے بتاتا تو اس کا دل دُکھتا۔

"دیکھو سلمان مجھے اپنی بہن سمجھو۔ اپنے پرابلمز، اپنی پریشانیاں مجھ سے کہا کرو۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف مجھے بتاؤ۔"

"اچھا باجی۔"

وہ اس کا بھائی بن کر بہت خوش تھا۔ اس نے آپی کو بتایا تو آپی کا ردِ عمل حسبِ معمول تھا۔

"یوں ہی تمہاری ہمدردیاں جیتنے کے لیے جھوٹ بولتا ہوگا۔"

"میں اسے کیا دے رہی ہوں۔ اُلٹا اس کی وجہ سے مجھے بڑی ڈھارس سی ملتی ہے۔ میں سوچتی ہوں بھائی خواہ چھوٹے بھی ہوں مگر کتنا سہارا ہوتا ہے۔ کتنے تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔"

"بھائی تو صرف وہی ہوتے ہیں جو سگے ہوں۔"

انھوں نے تبصرہ کیا۔

"مگر آپی وہ تو بچہ ہے۔ ابھی آٹھویں میں پڑھتا ہے۔"

اور اگر میری شادی ہو گئی ہوتی تو اس کی عمر کا میرا بیٹا ہوتا۔

اس نے سوچا اور ایک دن اسے اپنے ساتھ ہی گھر لے آئی۔

"یہ میری آپی ہیں۔"

اس نے تعارف کروایا۔

"اور آپی یہ میرا چھوٹا سا بھائی ہے سلمان۔"

آپی نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ سلمان کو کمرے میں بٹھا کر وہ باہر نکلی۔

"اماں کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گی لیکن ان کے پاس مانو اور بے بی بھی ہوں گی۔ ادھر اسے لے کر جانے کی ضرورت نہیں۔"

"جی۔"

اس کی ساری خوشی جیسے مر سی گئی۔ وہ کتنی خوشی کے ساتھ سلمان کو گھر لائی تھی۔ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا اس نے سوچا تھا۔ وہ اماں کو بتائے گی کہ سلمان اس کا بھائی ہے، وہ بھی اسے اپنا بیٹا سمجھیں۔ اور—

وہ مرے مرے قدموں سے واپس پلٹ آئی۔ ایک دم ہی اس کا دل بجھ سا گیا تھا لیکن وہ یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ ایک دم ہی اسے احساس ہوا تھا کہ جیسے وہ کوئی غلطی کر بیٹھی ہے۔ اسے سلمان کو گھر نہیں لانا چاہیے تھا اور یہ کہ وہ جو اس نے سوچا تھا کہ سلمان اس کے گھر کے فرد کی طرح ہوگا اور اس نے بڑے دعوے اور مان سے کہا تھا کہ سلمان جب دل گھبرائے طبیعت پریشان ہو آجایا کرو تو اسے یہ سب کچھ کہنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا مگر... وقت ہوتے ہوتے گزرتا رہا۔ سلمان نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو وہ پہلی بار مبارک باد دینے اس کے گھر گئی۔ سلمان نے بڑے فخر سے اسے متعارف کروایا۔

"بھابی یہ میری باجی ہیں اور اگر کوئی میری سگی بہن ہوتی تو ان سے زیادہ مجھے عزیز نہ ہوتی۔"

اس کی بھابی بڑی خوش دلی سے ملیں۔ اور انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے گھر آئیں گی۔

آپی کو اس کا سلمان کے گھر جانا کچھ پسند نہ آیا تھا۔ لیکن انھوں نے کچھ کہا نہیں تھا۔ بس اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں اچھا نہیں لگا۔

سلمان نے کالج میں ایڈمیشن لیا تو اس کا روٹ الگ ہو گیا۔ سو کبھی کبھار کسی فری پیریڈ میں یا کالج سے چھٹی کے بعد وہ اس سے ملنے آفس آجاتا۔ ایک روز یونہی اس نے بتایا۔

"کل میرا برتھ ڈے ہے۔"

"ارے سچ تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"ہمارا برتھ ڈے کون سا کسی نے منانا ہوتا ہے۔ ویسے ٹیپو اور پپو کا برتھ ڈے بھابی بڑی دھوم دھام سے مناتی ہیں۔ اس بار تو آپ کو بھی بلائیں گے۔"

"سنو سلمان کل شام کو ہمارے گھر آنا۔"

"کیوں؟"

"بس ویسے ہی ایک کام ہے۔"

"ابھی بتا دیں ایسے ہی میں سوچتا رہوں گا کہ کیا کام ہے۔"

"ایسا کوئی خاص کام بھی نہیں ہے بس تم آجانا۔ چند قدم پر تو ہمارا گھر ہے۔"

"گھر کی بات نہیں بس وہ۔"

"کیا؟"

"آپ کی آپی سے ڈر لگتا ہے۔"

"میری آپی تمھیں کچھ کہتی تو نہیں ہیں نا مانی۔ بس ان کا مزاج ہی کچھ اس طرح کا ہے۔ دراصل ان کے ساتھ ٹریجڈی بھی تو ایسی ہی ہوئی ہے نا۔"

اس نے وضاحت کی۔

"اچھا بھئی آجاؤں گا۔"

اور دوسرے روز وہ آفس سے ذرا جلدی اٹھ گئی۔ اس نے سلمان کے لیے برتھ ڈے کارڈ اور گفٹ خریدا۔ موم بتیاں اور کیک لیا۔ اور چائے کے لیے سینکس وغیرہ لیے۔ اس نے سوچا تھا وہ سلمان کا برتھ ڈے گھر پر منائے گی۔ سادگی کے ساتھ سلمان کیک کاٹے گا۔ پھر وہ اکٹھے مل کر چائے پیئں گے اور وہ کتنا بے تحاشا خوش ہوگا۔ اس نے سارا سامان اپنے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ اور جب وہ آیا تو آپی نے گیٹ کھولا اور اسے دیکھتے ہی ان کا موڈ آف ہو گیا۔

"وہ آیا ہے تمھارا رشتہ دار۔"

کمرے میں آکر انھوں نے بتایا۔

"سمجھ میں نہیں آتا روز روز کیا مطلب ہے اس کا یہاں۔"

"وہ میرا بھائی بنا ہوا ہے۔"

اس نے آہستگی سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

"آؤ سلمان۔"

وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ لیکن وہ اندر سے بے حد دکھی سی ہو رہی تھی۔ کتنے شوق سے وہ کیک وغیرہ خرید کر لائی تھی لیکن آپی کا موڈ دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

"سالگرہ مبارک ہو مانی۔"

اس نے اس کا گفٹ اسے دیا۔

"تھینک یو باجی تو کیا اسی لیے آپ نے بلایا تھا؟"

"ہاں۔"

وہ دل کا درد چھپا کر مسکرائی۔

"میں نے سوچا تھا آج تمہاری سالگرہ ہے تو اچھی اچھی باتیں کریں گے۔ اکٹھے چائے پئیں گے۔ میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"چھوڑیے چائے کو، باتیں کرتے ہیں۔"

اور پھر وہ باتیں کرنے لگا۔ اپنے کالج کی، دوستوں کی اور اپنے بچپن کی۔ اور وہ خالی خالی ذہن کے ساتھ اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے کان تو باہر کی طرف لگے تھے۔ جہاں آپی اپنے غصے کے اظہار کے لیے کبھی زور سے کچن کا دروازہ بند کرتیں اور کبھی بے بی کو ڈانٹنے لگتیں۔ اور پھر اس کے جانے کے بعد اس نے مانو کو بلا کر سارے لفافے اس کے حوالے کر دیے۔

"ارے یہ کیک اور اتنا سارا سامان کیا کسی نے آنا تھا؟"

"ہاں ثوبیہ نے کہا تھا وہ اپنی نند کے ساتھ آئے گی۔"

اس نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

اور پھر اس رات اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور چپکے چپکے کتنی ہی دیر تک روتی رہی۔ صبح جب وہ اٹھی تو اس کا سر بے حد بھاری اور دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ماہی؟"

آپی ایک دم پریشان ہو گئی تھیں۔

"آج چھٹی کر لو۔"

"نہیں کام بہت ہے اور شاید میں آفس کے بعد ثوبی سے ملنے چلی جاؤں گی۔"

"لیکن تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی، ماہم پھر کسی دن چلی جانا۔"

وہ بنا کچھ بولے چائے پیتی رہی۔ اسے آپی کی یہ تشویش زہر لگ رہی تھی۔ خود ہی زخم لگاتی ہیں اور پھر خود ہی!

ثوبی نے اس کے ستے ستے چہرے کو دیکھا۔

"کیا بات ہے ماہی؟"

"کچھ نہیں۔"

وہ مسکرائی۔

"یونہی رات نیند نہیں آئی اور سر میں درد تھا۔"

"اچھا۔"

ثوبیہ اس کے آنے پر بہت خوش ہو رہی تھی۔

"سچی تم بہت یاد آ رہی تھیں۔ میں آنے ہی والی تھی تمہاری طرف۔ اور سناؤ آفس میں سب ٹھیک ہیں۔ مانو بے بی، آپی سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ بے بی کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکا بہت اچھا ہے۔ اماں اور آپی کو پسند ہے لیکن میں سوچ رہی ہوں غیر لوگ ہیں۔ جانے کیا مطالبہ کریں اور ابھی ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ شادی کے اخراجات برداشت کر سکیں۔ سوچ رہی ہوں ایک دو ٹیوشنز مل جائیں تو کمیٹی ڈال دیتی۔"

"ٹیوشنز تو خیر مل جائیں گے میری نند کی ایک دوست کو ٹیوشن کی ضرورت ہے اور رہتی بھی وہ ادھر تمہارے گھر کی طرف ہی ہے۔ میں بات کروں گی اور جہاں تک لڑکے والوں کی بات ہے تم آپی سے کہو صاف صاف بات کریں۔ اگر پھر بھی وہ خواہش مند ہوں تو پھر رشتہ ٹھکرانا کفران نعمت ہی ہو گا۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی اور ثوبیہ چائے لینے کے لیے اٹھ گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو ماہم؟"

چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ثوبیہ نے پوچھا۔

"میں۔"

اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم کچھ پریشان لگتی ہو۔ پلیز اپنے دکھ اپنی پریشانیاں کسی سے کہہ دیا کرو۔ اس طرح خود ہی اکیلے اکیلے مت کڑھتی رہا کرو۔ کتنی بار تم سے کہا ہے۔ ماہم تم نے اپنے آپ کو تنہا کر لیا ہے۔"

"ہاں شاید میں اپنے آپ میں بہت تنہا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

اس نے بے حد نرمی سے پوچھا۔

"بات تو کچھ نہیں ثوبی۔ بس میں اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں۔ میں جو کچھ جی چاہے کروں اور کوئی مجھے منع نہ کرے۔ روکے نہ۔"

"تو کیا اب کوئی روکتا ہے؟"

"نہیں۔"

اس نے بے بسی سے ثوبیہ کو دیکھا۔

"مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے میرا دم گھٹ رہا ہو اور میرے چاروں طرف کسی نے آکسیجن بند کر دی ہو اور میں اندھیروں میں گھر گئی ہوں اور کبھی کبھی جو روشنی کی ننھی سی کرن کہیں سے آتی ہے اس کرن کو۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور سوچا۔

"اس کرن کو آپی بند کر دیتی ہیں اور اندھیرے پھر سے مجھ پر یلغار کر دیتے ہیں۔"

"دیکھو ماہی تمھارا جو جی چاہے تم کر لیا کرو، بے فکر ہو کر تمھیں کوئی منع نہیں کرتا اور کوئی روکتا نہیں۔ خوامخواہ اپنے ذہن کو مت تھکایا کرو۔ میرا خیال ہے تم غیر ضروری باتیں سوچ سوچ کر خود کو پریشان کرتی رہتی ہو۔"

"تمھیں کیا پتا ثوبی میں تو کانچ سے بنی ہوں ذرا سی ٹھیس سے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہوں۔ لالے کے پھول کی طرح شبنم کے قطرے سے۔"

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے بی بی اور یہ تم اپنے چھوٹے سے دماغ کو مت تھکاؤ۔ اور کیا ہی اچھا ہوتا جو تم اس وقت عادل کی بات مان لیتیں۔ تو کم از کم تمھارے پاس سوچنے کے لیے عادل کا تصور ہوتا۔ یہ غیر ضروری باتیں نہیں۔"

ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ کر معدوم ہو گئی اور اس نے چائے کی پیالی اٹھالی۔

بے بی کا رشتہ طے ہو گیا تھا شادی۔ سال بھر بعد ٹھہری تھی اور اسے دو چار شوشز بھی مل گئی تھیں۔

"اتنی محنت مت کرو ماہم۔"

آپی بڑی محبت سے کہتیں۔

"آفس سے آتے ہی ادھر سر کھپانے لگتی ہو میں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ہم زیادہ دے دلا نہیں سکتے۔"

"پھر بھی کچھ تو ہو۔"

"کاش میں نے کچھ پڑھا ہوتا تو آج تمھارے کندھوں پر تنہا اتنا بوجھ نہ ہوتا۔"

"ارے نہیں آپی آپ فکر نہ کیا کریں۔ میں ذرا نہیں تھکتی۔"

آپی کی اس محبت پر اس کا دل گداز ہو جاتا۔ ان دنوں وہ بہت خوش رہنے لگی تھی۔ ایک دم ہلکی پھلکی۔ سلمان کبھی مہینے دو مہینے بعد آفس میں ہی آ جاتا ملنے یا پھر وہ خود ہی اس کے گھر چلی جاتی۔ اس کی بھابی اس سے بڑی محبت اور خلوص سے ملتی تھیں۔ کالی دوستی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی آ جاتیں۔ آپی خوش دلی سے انھیں ملتیں۔ وہ بہت مطمئن تھی۔ اس روز وہ زرین کو پڑھا رہی تھی کہ سلمان آ گیا۔ اتنے سارے دنوں بعد وہ اسے اچانک اپنے گھر دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔

"ارے مانی تم اس وقت کیسے؟"

"دراصل مجھ سے خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا آپ کو بھی اس خوشی میں شریک کر لوں۔ میں سلیکٹ ہو گیا ہوں۔"

"سچی مانی۔"

وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

آرمی میں جانا اس کا خواب تھا حالانکہ اس کے بھائی چاہتے تھے کہ وہ ایف اے کے بعد بزنس میں ان کا ہاتھ بٹائے لیکن اسے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"میں بزنس مائنڈڈ نہیں ہوں باجی۔ اگر آرمی میں نہ جا سکا تو پولیس میں جاؤں گا۔"

اور اس نے بڑی مشکل سے بھائی سے اس کی اجازت لی تھی اس لیے وہ بے تحاشا خوش تھا اور وہ اس کی خوشی میں خوش۔ اور اب یہ محض اتفاق تھا کہ وہ دو تین روز مسلسل اس وقت اس کے گھر آیا جب زرین جا رہی ہوتی تھی۔ زرین کھاتے پیتے گھرانے کی خوش شکل اور شوخ مزاج لڑکی تھی۔ اور وہ ایبٹ آباد جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا اور چھوٹے بچوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر مشورہ کرنے چلا آتا۔

"باجی یہ ساتھ لے جاؤں وہ لے جاؤں ٹریننگ سخت تو نہیں ہوگی، میں کر لوں گا؟"

وہ بھی کسی بچے کی طرح ہی اسے سمجھاتی۔

"کیوں نہیں بھئی کیوں نہیں کر لو گے۔ وہ لوگ جو لیفٹیننٹ اور کیپٹن کرنل بنتے ہیں تمھارے جیسے نہیں ہوتے کیا۔"

"جناب اب آپ ایک کمیشنڈ آفیسر کی بہن ہوں گی۔ بڑی شان ہوگی آپ کی۔"

خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ اس کا کوئی ایسا خاص دوست بھی نہیں تھا اور گھر میں بھی بھابی اور بھائی بے حد مصروف تھے اس لیے وہ اپنی خوشیاں

اس کے ساتھ شیئر کر رہا تھا۔ اس روز وہ اسے رخصت کر کے آئی تو اس کی بچوں جیسی باتوں پر مسکرا رہی تھی۔

"یہ مانی بھی بالکل بچہ ہی ہے۔"

آپی نے اس کے مسکراتے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"ماہم۔"

وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھیں۔ اس کے مسکراتے ہونٹ بھنچ گئے۔

"یہ مانی کیوں آنے لگا ہے روز روز پھر؟"

"آپ کو پتا ہے آپی بھائی بنا ہوا ہے وہ میرا اور۔"

"جانتی ہوں۔"

آپی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کہیں یہ زرین کے چکر میں تو نہیں آتا۔"

"جی۔"

حیرت سے اس کے ہونٹ ذرا سے کھل کے بند ہو گئے۔ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھیں۔ اس نے ان کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔

"اور تم دونوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ تو نہیں بنی ہوئی ہو اور پیغام رسانی کر رہی ہو۔"

"آپی۔"

لفظ اس کے اندر ہی گھٹ گئے۔ اسے لگا جیسے آپی نے کند چھری سے اسے ذبح کر ڈالا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور حلق خشک ہو گیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی اور لرزتی ہوئی اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ آپی نے اس کے زرد چہرے کو ایک نظر دیکھا اور عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ وہ جانے کتنی دیر تک یوں ہی بیٹھی رہی۔ اس کا وجود اندر سے جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہوتا رہا۔ ریزہ ریزہ۔ غم کی شدت سے آنسو اس کے اندر ہی خشک ہو گئے تھے۔

آپی اسے ایسا سمجھتی ہیں۔

یہ دکھ اسے مارے ڈالتا تھا۔

اتنے برسوں کی رفاقت کے باوجود وہ اسے نہیں سمجھ سکیں۔ اس کا پل پل لمحہ لمحہ ان کے سامنے تھا۔ پھر پھر بھی۔

اس سے تو اچھا ہے کہ میں مر جاؤں۔

اس روز وہ بڑی سنجیدگی سے مرنے کے متعلق سوچتی رہی۔

اس نے بار بار مرنے کے متعلق سوچا لیکن ہر بار کسی اندرونی طاقت نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"بے وقوف لڑکی۔"

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔

موت کے بعد بھی رسوائیاں اور بدنامیاں مول لینا چاہتی ہے۔ ہزاروں باتیں ہوں گی۔ ہزاروں قیاس آرائیاں۔

اوہ خدایا کیا کروں میں۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ ساری رات اسے یوں لگتا رہا جیسے کوئی تیز دھار خنجر سے اس کے دل کے ٹکڑے کیے دے رہا ہو۔ اور پھر بہت سارے دن وہ آپ سیٹ رہی۔ زرین کو اس نے مزید پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ مانی ٹریننگ کے لیے چلا گیا تھا اور وہ ایک دم چپ ہو گئی تھی۔ آفس سے آ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ آپی، بے بی، مانو کسی سے فالتو بات نہ کرتی۔ یوں جیسے اس نے سب سے ناتا توڑ لیا ہو۔ خاموش اور چپ چاپ اپنے آپ میں گم۔ اس روز چھٹی تھی۔ بڑے دنوں بعد وہ باہر برآمدے میں دھوپ میں آ کر بیٹھی تھی۔ آپی اس کے پاس ہی بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔

"تم کچھ بیمار ہو ماہم۔"

"نہیں تو۔"

"کوئی تکلیف ہے تو چھپاؤ مت۔"

"نہیں تو کوئی تکلیف نہیں۔"

"ٹیوشن چھوڑ دو، تھک جاتی ہو۔"

"اچھا۔"

اس نے رسالہ اٹھا لیا۔

تب ہی مانی کی بھابی آ گئیں تو ان سے باتیں کرنے لگی۔ جاتے جاتے انھوں نے سلمان کا ایڈریس دیا۔

"یہ مانی نے ایڈریس بھیجا تھا۔ کہہ رہا تھا باجی سے کہنا مجھے ضرور خط لکھے۔"

"اچھا۔"

اس نے ایڈریس لے لیا۔

"تو تم اب مانی سے خط و کتابت کرو گی۔"

بھابی کے جانے کے بعد آپی کی تیز نظریں اس کے وجود کو ٹٹولنے لگیں۔

اس کا جی چاہا کہہ دے ہاں مگر وہ چپ رہی اور اس نے ایڈریس پھاڑ دیا۔

"کیا وہ خط لکھتا ہے تمھیں؟"

آپی کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔

"اگر وہ خط لکھتا تو گھر پر ہی آتا نا؟"

"آفس کے پتے پر بھی تو آسکتا ہے۔"

آپی تیر چلا کر سبزی کا تھال اٹھائے کچن کی طرف چلی گئیں۔ اور وہ وہیں تخت پر بیٹھی کاغذ کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی رہی۔

"ارے کیا سوچ رہی ہو بقراط خانم؟"

ثوبی جانے کب آئی تھی اسے پتا ہی نہ چلا۔

"ارے تم ثوبی؟"

وہ خوش ہو گئی۔

"جی میں۔"

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کیا سوچا جا رہا تھا؟"

"میں سوچ رہی تھی ثوبی بغاوت کر دوں؟"

"جب وقت تھا تب تو تم سے بغاوت نہ ہوئی اب کیا کرو گی؟"

ثوبی ہنسی۔

"اور کرو گی بھی تو کس کے خلاف؟"

"اپنے خلاف۔"

وہ بڑبڑائی۔

"ارے تم سے بغاوت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی۔ تم سدا یوں ہی رہو گی، احمق اور بے وقوف اور یوں ہی کڑھ کڑھ کر گھل گھل کر مر جاؤ گی۔ ہزار دفعہ تم سے کہا ہے۔ اللہ کی بندی فضول باتیں مت سوچا کرو۔ کھاؤ پیو اور عیش کرو۔"

وہ بھی تو یہی چاہتی تھی کہ فضول نہ سوچا کرے اور کسی بات کی پروا نہ کرے لیکن پتا نہیں کیوں وہ ایسی تھی۔ اتنی زود رنج اور حساس۔ اس روز اس نے ثوبیہ سے وعدہ کیا کہ وہ اب چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرے گی مگر وہ جانتی تھی کہ یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے اور اس معاملے میں وہ بے اختیار ہے۔

"زندگی کو خود اپنے لیے مشکل مت بناؤ ماہم اور مانی اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کے لیے تم خود اپنی زندگی "اوکھی" کر لو۔"

ثوبیہ نے اسے سمجھایا تھا۔

"اسے دکھ ہو گا ثوبی۔ وہ مجھے اپنی سگی بہن سمجھتا ہے۔"

"کوئی دکھ وغیرہ نہیں ہو گا۔ شاید ذرا سا افسوس ہو۔ پھر وہ بھول جائے گا۔ تم اسے کہہ دو کہ تمھارے لیے یہ رشتہ نبھانا مشکل ہے۔ تمھاری اپنی زندگی اور اس کی خوشیاں زیادہ اہم ہیں۔ یوں ہی اپنے آپ کو گھن مت لگاؤ۔"

"اچھا۔"

اس نے وعدہ تو کر لیا تھا لیکن اس نے مانی سے کچھ نہ کہا۔ یوں بھی وہ اپنی پڑھائی میں بہت مصروف ہو گیا تھا۔ اور کبھی جب وہ چھٹیوں میں آتا تو وہ خود ہی جا کر مل آتی۔ زندگی ایک بار پھر پرانی ڈگر پر چل نکلی تھی۔ کئی سال دبے پاؤں گزر گئے۔

پہلے بے بی اور پھر مانو کو بھی اس نے رخصت کر دیا۔ گھر میں اب صرف وہ، آپی اور اماں ہی رہ گئی تھیں۔ اماں کبھی کبھی اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھرتیں۔

"ایسا کرو ماہم تم جاب چھوڑ دو۔ بہت تھک گئی ہو۔ بہت محنت کی ہے تم نے۔"

ایک روز آپی نے کہا۔

"ہم ایسا کرتے ہیں نچلی منزل کرائے پر دے دیتے ہیں۔ اوپر ایک کمرہ اور باتھ ہے کچن بنوا لیتے ہیں۔ ہم تینوں کے لیے ایک کمرہ بہت ہے۔ پندرہ سولہ سو ماہوار تو مل ہی جائیں گے گزر ہو جائے گی۔"

"کیا ضرورت ہے اتنی تنگی اٹھانے کی؟"

وہ مختصر بات کرتی تھی۔

"لیکن ماہم میں چاہتی ہوں تم کچھ ریسٹ کر لو۔ ان بیتے سالوں میں بہت محنت کی ہے تم نے اور میں ایسی ناکارہ کہ تمھاری کوئی بھی مدد نہ کر سکی۔"

"یہ تو فرض تھا میرا۔"

سلمان کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہونے والی تھی اور وہ ضد کر رہا تھا کہ وہ بھی اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ دیکھنے آئے

"دیکھیں باجی ایک ہی تو آپ میری بہن ہیں اور آپ کو بھابی وغیرہ کے ساتھ ضرور آنا ہے۔ میں نے بھابی سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کو ساتھ لے کر آئیں۔"

"اچھا کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں جناب ہر صورت میں آپ کو آنا ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی کہ آپی سے بات کرے کہ اسے مانی کی پاسنگ آؤٹ پریڈ پر جانا ہے۔ کہ آپی نے یہ قصہ چھیڑ دیا۔

"میں سنجیدہ ہوں ماہم تمہیں اب آرام کی ضرورت ہے۔"
"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور میں۔" وہ بتانا ہی چاہتی تھی کہ اسے بھابی کے ساتھ جانا ہے کہ بھابی آگئیں۔
"اوہ ماہم میں تمہیں بتانے آئی تھی کہ ہم کل صبح چلیں گے یہاں سے۔ تم تیار رہنا۔ مانی کے بچے نے فون کر کر کے میرا دماغ کھالیا ہے کہ باجی کو ضرور ساتھ لانا ہے۔"
"کہاں جانا ہے؟"
آپی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"مانی کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہے نا۔"
بھابی نے تفصیل بتائی۔
"مگر ماہم کیا کرے گی جا کر۔"
آپی نے کہا۔
"مانی کی خواہش ہے۔"
"نہیں بھابی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ نہیں جا سکے گی۔" انھوں نے صاف انکار کر دیا۔
وہ چپ بیٹھی ہونٹ کاٹتی رہی۔
"اس طرح غیر مرد کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔"
"بھابی بھی تو ساتھ ہوں گی۔"
اس نے دبے دبے لہجے میں کہا۔
"تم جانا چاہو تو چلی جاؤ لیکن اماں اسے پسند نہیں کریں گی۔"
بھابی کے جانے کے بعد آپی نے کہا تو بہت سارے دنوں بعد اس کے اندر سے پھر بغاوت نے سر اٹھایا۔ اور اسے اپنے اردگرد بڑی گھٹن محسوس ہوئی یوں جیسے چاروں اور دروازے بند ہوں اور تاریک زنداں میں اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ اس کا دل چاہا وہ ایک ایک دروازہ توڑ دے اور کھلی فضا میں گہرے گہرے لمبے لمبے سانس لے۔ اب اس عمر میں آ کر بھی وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کتنی بہت سی پابندیاں تھیں جن میں وہ جکڑی ہوئی تھی۔ ان دیکھی زنجیریں اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑی تھیں۔ اور وہ کھلی فضاؤں میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اس تاریک زنداں سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ ان زنجیروں کو کاٹ دینا چاہتی تھی۔
اور یہ احساس اس روز اور بھی شدت اختیار کر گیا۔ جب بھابی نے آ کر بتایا کہ اس کو نہ پا کر اس کا موڈ ایک دم سے خراب ہو گیا تھا۔ اعزازی تلوار حاصل کر کے بھی وہ خوش نہیں تھا اور وہ اس سے سخت خفا اور ناراض ہے۔ اور کہہ رہا تھا کہ اگر آپ میری سگی بہن ہوتیں تو میری خوشی میں ضرور شریک ہوتیں۔
اس روز وہ سوچتی رہی فیصلہ کرتی رہی اور بالآخر صبح آفس جانے سے پہلے ناشتہ کرتے ہوئے اس نے آپی کی طرف دیکھا۔
"آپی میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔"
آپی کے ہاتھ سے سلائس نیچے گر پڑا۔
"کس سے؟"
بڑی دیر بعد انھوں نے پوچھا۔
"کیا آفس میں؟"
شک کے زہریلے ناگ اپنے پھن لہراتے ان کے ہونٹوں تک آ گئے۔
آفس میں بھلا کون تھا۔ نظامی صاحب جو چھ عدد جوان لڑکوں کے باپ ہی نہیں، دو خونخوار بیویوں کے شوہر بھی تھے۔ یا پھر مدنی صاحب جو بے چارے اتنے کمزور اور نحیف تھے کہ لگتا تھا نوکری سے ریٹائر ہونے سے پہلے زندگی سے ہی ریٹائر ہو جائیں گے۔
"نہیں۔"
اس نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔
"پھر کس سے؟"
شک کے ناگ ابھی تک اپنے خوف ناک پھن لہراتے اپنی دو شاخی زبانیں باہر نکالے ان کی آنکھوں سے جھانک رہے تھے۔
"کسی سے بھی۔"
اس نے اطمینان سے کہا۔
"میرا مطلب ہے آپ ماسی خورشید سے کہیے گا نا! جو بے بی اور مانو کے لیے رشتہ لائی تھی۔"
اور شک کے زہریلے ناگوں نے ایک دم ہی اپنے پھن ڈال دیے تھے اور اپنی لہراتی زبانیں اندر کر لیں۔ اسے لگا جیسے آپی کو بے حد مایوسی ہوئی ہو۔ اسے ان کی اس مایوسی پر بڑی کمینی سی خوشی ہوئی اور وہ چائے کا ایک بڑا گھونٹ لے کر کھڑی ہو گئی۔ لگتا تھا جیسے آپی کو اس کے اس فیصلے سے بڑا شاک پہنچا ہو۔
"نچلی منزل کرائے پر چڑھا دیجیے گا ویسے بھی آپ کہہ رہی تھیں اور آپ کے اور اماں کے لیے ایک کمرہ کافی

ہوگا۔ کچن بنوالیتے ہیں۔"
مگر انھوں نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔ وہ چائے کی پیالی کو خالی خالی نظروں سے گھورتی رہیں اور وہ انھیں یوں ہی حیران و پریشان چھوڑ کر آفس چلی گئی۔
پھر کئی دن گزر گئے نہ اس نے آپی سے کچھ کہا اور نہ آپی نے اس سے کچھ کہا البتہ اس نے دو تین بار ماسی نور رشید کو آتے جاتے دیکھا۔ اور پھر ایک شام آپی نے اسے بتایا۔
"ایک رشتہ ہے، یہ ادھر پچھلی گلی میں صفدر صاحب رہتے ہیں۔ بیوی مر چکی ہے، بچے شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں ہیں۔ اگر تم کہو تو۔"
"ٹھیک ہے۔"
اس نے زیادہ تجسس نہیں کیا اسے صفدر صاحب کے متعلق جاننے کا کوئی خاص شوق بھی نہ تھا۔ وہ تو بس کھلی فضاؤں میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس کا اپنا گھر ہوگا تو جو اس کا دل چاہے گا وہ کرے گی۔
اسے مانی کی پاسنگ آؤٹ پریڈ پر نہ جانے کا بے حد دکھ تھا بے حد ملال تھا اور یہ رنج اس کے اندر سے نکلتا ہی نہ تھا۔ اسے پتا تھا کہ مانی اس سے ناراض ہے خفا ہے۔ اس لیے تو آفس میں اس سے ملنے بھی نہیں آیا تھا۔ مگر وہ اسے منالے گی۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنے گھر ٹل جا کر وہ مانی کی دعوت کرے گی۔ اس کی کامیابی کی خوشی میں ایک چھوٹا سا فنکشن کرے گی۔ رشتے صرف خون کے ہی تو نہیں ہوتے۔ وہ اس کا بھائی تھا اور۔۔۔ وہ یونہی خواب دیکھتی رہی۔ تو بیہ کو اس کے فیصلے پر دکھ تھا۔
"ماہم تم جلد بازی کر رہی ہو۔ تمھیں خبر ہے صفدر صاحب کی بیٹیاں تمھاری ہم عمر ہوں گی۔"
"اب اس عمر میں تمھارے خیال میں کیا میرے لیے اس سے بہتر رشتہ مل سکتا ہے۔"
"ہاں۔"
"تمھیں پتا ہے میری عمر؟"
"مجھے پتا ہے ماہم لیکن صفدر صاحب تو سنا ہے کچھ سکی سے ہیں۔"
"کیا فرق پڑتا ہے۔"
وہ بہت مطمئن تھی اور پُرسکون بھی۔
اور پھر ایک سادہ سی تقریب میں صفدر صاحب کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا اور وہ خاموشی سے رخصت ہو کر صفدر صاحب کے گھر آ گئی۔
شادی کو ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اسے پتا چلا کہ مانی آیا ہوا ہے تو اس نے فون کیا۔ اسے منایا۔ پاسنگ آؤٹ پریڈ پر نہ آسکنے کی معذرت کی اور وہ ذرا سی دیر بعد ناراضگی بھول کر تقریب کا حال بتانے لگا۔ اس کی پوسٹنگ سیالکوٹ ہو گئی تھی اور وہ چند دن کے لیے آیا تھا۔
"اچھا تو تم ملنے کب آ رہے ہو۔"
"ابھی آجاؤں۔ مگر وہ آپ کے؟"
اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ابھی آجاؤ۔"
وہ ہنس دی۔
"کھانا اکٹھے کھالیں گے۔ اور تمھاری ملاقات بھی ہو جائے گی ان سے ابھی تو وہ باہر گئے ہیں۔"
"وہ ۔۔۔ اُن۔"
وہ چھیڑنے لگا تو وہ ہنس دی۔
"بہت شریر ہو گئے ہو۔"
"بہت دنوں بعد۔۔۔ بہت سارے دنوں بعد آج آپ کا موڈ اتنا اچھا ہے تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ بہت خوش رکھے۔ آپ نہیں جانتیں بجو کہ آپ مجھے کتنی عزیز اور کتنی پیاری ہیں۔ اگر میری کوئی سگی بہن ہوتی نا تو وہ بھی مجھے شاید اتنی عزیز نہ ہوتی۔ مجھے آپ کے نہ آنے کا بہت دکھ ہوا تھا۔ ورنہ میں آپ سے ناراض نہیں ہو سکتا۔"
"سوری مانی میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ تمھاری ساری خوشیوں میں شریک ہوں گی۔"
"تھینک یو۔"
وہ خوش خوش چلا آیا۔
وہ اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچن میں بوا کو ہدایت بھی دیتی جا رہی تھی۔ وہ بے حد خوش تھی اور اس کا گندمی رنگ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا۔ صفدر صاحب آئے تو اس نے اسی خوشی سے سرشار تعارف کروایا۔
"یہ میرا چھوٹا بھائی ہے مانی۔ اور مجھے بالکل سگے بھائیوں کی طرح پیار ہے۔"
مانی نے ہاتھ ملایا مگر صفدر صاحب کی پیشانی پر شکنیں تھیں اس نے کچھ محسوس نہ کیا۔ وہ اپنی خوشی میں مست مانی کو

صفدر صاحب کے پاس چھوڑ کر کھانا لگوانے چلی گئی۔

"آئیں کھانا کھائیں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

صفدر صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"خیریت۔"

وہ ان کے پیچھے لپکی۔

"ہاں۔"

"دو تین نوالے تو لے لیں۔ میں نے مانی کو کھانے پر روکا تھا۔"

"تم کھا لو دونوں۔"

"اچھا۔"

وہ کچھ بھی محسوس کیے بغیر کھانے والے کمرے میں آگئی۔

"بجو! یہ آپ کے میاں کچھ سخت مزاج سے لگ رہے ہیں۔ موڈ آف لگ رہا ہے۔ میں کھانا وانا نہیں کھاتا۔ جاتا ہوں اب۔"

"ارے نہیں مانی۔ میں نے اتنے شوق سے تمہارے لیے چکن روسٹ کیا ہے اور ان کا موڈ وغیرہ ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ بڑی خوشی اور مسرت سے ایک ایک چیز اس کے سامنے رکھتی رہی۔

"مانی یہ لو نا۔ یہ کباب تو چکھو۔ یہ میٹھا تو لو نا۔" اور کھانا کھاتے ہوئے مانی اسے میس کی باتیں سنا سنا کر ہنساتا رہا اور وہ دل کھول کر ہنستی رہی۔

"خدا کرے آپ ہمیشہ اسی طرح ہنستی رہیں۔"

مانی نے جاتے جاتے اسے دعا دی۔

"ارے یہ تم میرے بزرگ کب سے ہو گئے ہو۔"

وہ ہنس دی۔

"بھائی چھوٹے بھی بڑے ہوتے ہیں۔"

وہ سنجیدہ تھا۔

"اچھا بھائی جان خدا حافظ۔"

اسے رخصت کر کے وہ بہت خوش خوش واپس آئی تھی لیکن صفدر صاحب ہونٹ بھینچے غصیلی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"یہ ــــ یہ لڑکا۔"

"میرا بھائی ہے بتایا تو تھا۔"

اس نے بے نیازی سے کہا اور برتن سمیٹنے لگی۔

"ماہم۔"

وہ بہت غصے سے بولے۔

"آئندہ یہ لڑکا یہاں نہیں آئے گا اور مجھے یہ خوامخواہ کے رشتے بالکل پسند نہیں ہیں۔ یہ جو تم آفسوں میں کام کرنے والی لڑکیاں ہوتی ہو نا۔ ان کے یہ بھائی وائی سب میں جانتا ہوں۔ میں نے تو پہلے ہی ماسی خورشید سے کہا تھا کہ مجھے کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا لیکن وہ کہنے لگی کہ بہت شریف لڑکی ہے۔"

وہ پوری آنکھیں کھولے عجیب دکھ اور بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"بہر حال تمہارا جو بھی ماضی تھا۔ اب تم میری بیوی ہو اور یہاں اس گھر میں، میں کوئی بے غیرتی نہیں ہونے دوں گا۔ سن رہی ہو نا یہ میرا گھر ہے اور مجھے تو تمہارا اپنے بہنوئیوں کے ساتھ بھی زیادہ ہنسنا بولنا پسند نہیں ہے۔ اس دن تم مینو کے خاوند سے بڑی چہک چہک کے باتیں کر رہی تھیں۔"

اس نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ جانے وہ کیا کیا کہہ رہا تھا۔ اس کی سماعت تو جیسے ختم ہو گئی تھی۔ خوابوں کے سارے محل ایک چھناکے سے گر گئے تھے۔ وہ بھربھری مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔ اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ جیسے کوئی اس کا گلا بھینچ رہا ہو اور اس کے اردگرد سارے دروازے بند ہوتے جا رہے ہوں۔ کہیں ــــ کوئی روزن کوئی درز نہ ہو۔

ایسا لگتا ہے کوئی بڑا جرم تھا حبس موسم سے بادِ صبا مانگنا

اس نے اپنی سسکی کو ہونٹوں سے دبا لیا۔

تو کیا کھلی فضاؤں میں جینے کی خواہش کوئی جرم تھا۔

اس نے بے بسی سے ادھر اُدھر دیکھا۔ صفدر صاحب اپنے ترکش کے سارے تیر چلا کر واپس چلے گئے تھے اور اس کے اردگرد گھٹن تھی۔ اندھیرے تھے اور عمر بھر کے لیے زنداں کی تاریکی۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانس رک رہی تھی۔ وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

لیکن گھٹن لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ہوا کا کوئی جھونکا کہیں سے نہیں آ رہا تھا اور تب وہ اپنی بے بسی پر سر پیٹ پیٹ کر رونے لگی کہ اب تو عمر بھر کے لیے رات کالی، گھٹن کا سفر مل گیا تھا۔

کہ شاید۔

کوئی بڑا جرم تھا حبس موسم سے بادِ صبا مانگنا۔ ●